Regd. No. L. 922.

باالآخر ہمت کرکے مولف نے اس رسالہ کے
کے بیانات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ
کی جسارت کی ہے لیکن ۲ اپریل
ء میں ایک مضمون
صاحب نے اس

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار

ہماری زبان

ٹیلی فون — ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

جلد ۲۵ - شمارہ ۱۸ | اڈیٹر: آل احمد سرور | ۸ رمئی ۱۹۶۶ء

اداریہ

ہندی اور انگریزی میں اردو کا کیس

اردو کے حقوق کے متعلق اردو پریس میں تمام ضروری باتیں آچکی ہیں اور اردو داں طبقہ اچھی طرح جانتا ہے کہ کہاں کہاں ان حقوق کی پامالی ہوئی ہے، مگر ابھی تک ہندی اور انگریزی میں اس سلسلے میں مناسب اقدامات نہیں کیے گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اردو دوست ہندی اور انگریزی کے اخباروں میں اردو کے حقوق کی پامالی کے متعلق مضامین لکھیں۔ یہ دور اعداد و شمار کا دور ہے۔ ان مضامین میں اردو کے کیس کو دلائل و براہین کے ساتھ پیش کرنا چاہیے۔ اندھرا پردیش میں جب انجمن کی شاخ نے اردو کو بھی سرکاری حیثیت دینے کے لیے مہم چلائی تو انگریزی میں اردو کا کیس تیار کرا کے اس کی وسیع پبلسٹی کی۔ اس سے بہت فائدہ ہوا۔ کبھی کبھار انگریزی کے اخباروں میں اردو کے سلسلے میں مضامین نکلتے ہیں۔ فراقؔ نے مضامین کا جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ خاصا مفید ثابت ہوا۔ مگر یہ کافی نہیں۔ علمی و تہذیبی نقطۂ نظر سے مضامین کے علاوہ ایسے مضامین بھی ہونے چاہئیں جن میں اعداد و شمار کے ذریعہ سے یہ واضح کیا جاسکے کہ اردو کی تعلیم یا چلن کے سلسلے میں خاص خاص رکاوٹیں کون کون سی ہیں اور کس طرف سے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مرکزی حکومت نے اگرچہ ہمارا بنیادی مطالبہ کہ اردو کو ان ریاستوں میں جہاں اردو داں حضرات کی معقول تعداد ہے، سرکاری حیثیت سے تسلیم کیا جائے، ابھی نہیں مانا، مگر مرکزی حکومت لسانی اقلیتوں کے کمشنر کے ذریعہ سے ہمارے راستے میں دشواریوں کو دور کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ مگر بعض ریاستی حکومتیں خصوصاً وہ جن میں ہندی سرکاری زبان ہے، اس معاملے میں انصاف نہیں کررہی ہیں۔ اُتر پردیش کی حکومت کا رویّہ تو خصوصاً بے پروائی اور بے نیازی کا ہے۔ اس کے کان پر تو جوں بھی نہیں رینگتی۔ ظاہر ہے کہ حکومت، اپنی اکثریت پر نازاں ہے۔ لیکن ہم کوشش کریں تو اس اکثریت کی ناواقفیت یا عصبیت کو دور کرسکتے ہیں۔ یہ اکثریت انگریزی کے اخبار نہیں دیکھتی، لیکن ہندی کے اخبار ضرور پڑھتی ہے

اس لیے ہمارا پہلا فرض ہے کہ ان اخباروں میں اردو کا کیس پیش کریں۔ ہوسکتا ہے کہ اس کی وجہ سے ہمیں بہت سے مخالف مضامین سے بھی سابقہ پڑے، لیکن ان مخالف مضامین کے لیے ہمیں تیار رہنا چاہیے اور دلائل و براہین کے ساتھ ان کے اعتراضات کو رد کرنا چاہیے۔ انجمن ترقی اردو ہند، ہندی اور انگریزی میں چھوٹے چھوٹے رسالے تیار کرا رہی ہے۔ ان سے بھی ہندی اور انگریزی جاننے والوں کو متاثر کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے علاوہ ہندی اور انگریزی پریس میں، بلکہ دوسری علاقائی زبانوں کے پریس میں بھی اردو کے کیس کو مضامین اور اڈیٹر کے نام خطوط کے ذریعہ سے پیش کرنا چاہیے۔ یہ بھی کوشش کرنا چاہیے کہ ان اخباروں میں اردو دوستوں کے نمایندہ جلسوں کی روداد یں چھپیں۔ اگلے سال عام انتخابات ہونے والے ہیں۔ رائے عامہ کو متاثر کرنے کا یہ بڑا اچھا موقع ہے جمہوریت میں دیر ہوتی ہے مگر اندھیر زیادہ عرصہ تک نہیں ہوسکتا۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم سنجیدگی کے ساتھ قومی نقطۂ نظر سے جمہوریت پر بھروسہ کرتے ہوئے ملک کے عوام کو بتائیں کہ اردو کے ساتھ یہ ناانصافی ہے کس طرح قومی

اس شمارے میں

...ہوتا ہے۔

شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

مرکزی انجمن ترقی اردو

اور پنڈت [illegible] سے سروش طباطبائی کے انتقال کی جانکاہ خبر آئی۔ [illegible] جو ان سے ملاقات ہوئی تھی تو دل کے عارضے کی وجہ سے [illegible] کمزور معلوم ہوتے تھے، مگر یہ خیال ہوا تھا کہ اب وہ خطرے سے باہر ہو گئے ہیں، مگر اچانک پھر حملہ ہوا اور اب وہ جانبر نہ ہو سکے۔ سروش مرحوم اچھے شاعر اور بڑی پاکیزہ شخصیت کے آدمی تھے۔ محکمۂ مالیات میں حسابات کی جانچ کا کام کرتے تھے، مگر شاعری ایسی رچی ہوئی، پُرکیف اور پُراثر تھی کہ حیرت ہوتی تھی۔ بڑی شگفتہ اور باغ و بہار طبیعت پائی تھی، ابھی ان کے مرنے کے دن کہاں تھے، مگر کارکنانِ قضا و قدر کی مرضی میں کس کو دخل ہے۔ ادارہ "ہماری زبان" اس ممتاز شاعر اور قابلِ قدر انسان کی موت پر سوگوار ہے۔

سروش طباطبائی کا انتقال

لکھنؤ۔ ۳ مئی۔ اردو کے خوش گو شاعر اور شہر کے قدیم خاندان کے فرد مرزا محمد آغا سروش طباطبائی کا آج صبح حرکت قلب بند ہو جانے کی وجہ سے انتقال ہو گیا۔ ان کی عمر تقریباً ۵۵ سال تھی۔

سروش طباطبائی جناب جعفر علی خاں اثر لکھنوی کے حقیقی بھانجے تھے۔ ریاستی حکومت کے محکمۂ لوکل فنڈس اکاؤنٹس میں ایک عہدیدار تھے۔ مرحوم کے پس ماندگان میں دو بیٹیاں اور ایک لڑکا ہے جو یونیورسٹی میں زیر تعلیم ہے۔

مرحوم کو چونکہ عارضۂ قلب کے مریض تھے تین روز قبل انھیں دورہ پڑا تھا اور انھیں بلرام پور اسپتال میں داخل کر دیا گیا تھا جہاں آج ۸ بجے صبح سویرے ان کا انتقال ہو گیا۔ اور رشتہ داروں اور دوستوں کے ایک بڑے مجمع کے ساتھ دو بجے دن کو ان کی میت تالکٹورہ کی کربلا میں دفن کی گئی۔

سروش صاحب تقریباً چالیس سال سے شاعری کر رہے تھے اور شعرائے لکھنؤ میں ان کی نمایاں جگہ تھی۔ (قومی آواز، لکھنؤ)

قومی کتابوں کا میلہ

یونیسکو کی طرف سے گرانٹ

نئی دہلی۔ ۱۲ اپریل۔ اقوام متحدہ کے تعلیمی سائنسی اور ثقافتی ادارے (یونیسکو) کی طرف سے ۰۰۰،۲۸ روپے کی گرانٹ منظور کی گئی ہے تاکہ اس رقم سے بھارت میں نومبر ۶۶ء کے دوران ناشرین اور بک سیلروں کے تعاون سے کتابوں کا ایک میلہ منعقد کیا جا سکے۔

یونیسکو نے یہ امداد سال ۱۹۶۵-۶۶ء کے لیے اپنے مطالعاتی پروگرام کے پراجیکٹ کے تحت دی ہے۔ اسی پراجیکٹ کے تحت یونیسکو نے کتابوں کی تیاری اور تقسیم کے ایشیائی ماہرین کا ایک اجلاس طلب کیا ہے۔ یہ اجلاس ٹوکیو میں ۲۵ مئی سے ۳۱ مئی تک ہوگا۔ (دعوت۔ دہلی)

ملک میں دس ہزار اخبارات و رسائل

نئی دہلی۔ یکم مئی۔ رجسٹرار برائے اخبارات نے وزارت اطلاعات و نشریات کو اپنی دسویں سالانہ رپورٹ میں لکھا ہے کہ ملک میں اخبارات اور رسائل کی تعداد دس ہزار سے زائد ہے۔ یہ رپورٹ جو تمام ملک کے اخبارات اور رسائل کے پبلشروں سے موصول شدہ اطلاعات پر مبنی ہے، دوسری چیزوں کے علاوہ سرکولیشن میں جھکاؤ، عام ملکیت اور پریس میں حق فروخت کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ (سیاست جدید کانپور)

وسکانسن یونیورسٹی امریکہ میں ڈاکٹر داؤد رہبر کا تقرر

امریکہ کی وسکانسن یونیورسٹی کے شعبۂ علوم ہند میں اردو اور اسلامیات کا دس سیٹ کے لیے ڈاکٹر داؤد رہبر کا تقرر ہوا ہے۔ موصوف پاکستان کے شہری ہیں اور پروفیسر محمد اقبال مرحوم کے صاحبزادے ہیں جو اورینٹل کالج لاہور کے پرنسپل تھے اور پروفیسر محمود شیرانی کے ساتھیوں میں تھے۔ ڈاکٹر رہبر کیمبرج یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ہیں اور اس سے پہلے ترکی میں معلم رہ چکے ہیں۔ (شوکت زیدی)

علاقائی زبانوں میں قوانین کا ترجمہ

نئی دہلی۔ ۲۰ اپریل۔ مرکزی زبان (لیجسلیٹو) کمیشن سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ علاقائی زبان میں جتنے زیادہ سے زیادہ قوانین کا ترجمہ کر سکیں کریں۔ اس غرض سے بہت سے لوگوں کا تقرر بھی کیا گیا ہے کہ وہ مختلف زبانوں میں قوانین کا ترجمہ کریں۔ ابھی آسامی اور گجراتی زبان میں ترجمے کے لیے کوئی آدمی مقرر نہیں کیا گیا ہے۔

یہ بات آج لوک سبھا میں مسٹر سی۔ آر۔ پٹابھی رامن نائب وزیر برائے قانون نے ایک سوال کے جواب میں کہی۔ انھوں نے بتایا کہ دس قانون اب تک ہندی زبان میں ترجمہ کیے جا چکے ہیں اور کچھ کا ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ (قومی آواز، لکھنؤ)

مخطوطات انجمن ترقی اردو پاکستان کی فہرست شائع ہو گئی

کراچی۔ کل پاکستان انجمن ترقی اردو کے کتب خانۂ خاص میں اردو، فارسی اور عربی کے دو ہزار سے زائد نادر مخطوطات ہیں۔ ان مخطوطات کی وضاحتی فہرست مرتب کی جا رہی ہے۔ پہلی جلد شائع ہو گئی ہے جس میں ۵۰۰ مخطوطات پر وضاحتی حواشی ہیں۔ ہر مخطوطے کا تفصیلی مطالعہ کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ متعلقہ مخطوطے کے دیگر نسخے کہاں کہاں موجود ہیں۔ آخر میں کتب خانے کے تمام اردو مخطوطات کی مکمل اجمالی فہرست بھی دی گئی ہے۔ اس فہرست کو افسر صدیقی امروہوی اور سید سرفراز علی رضوی نے مرتب کیا ہے۔ (کتابی دنیا، کراچی)

محمد انصار اللہ نظر

رسالہ[1] افشائے اسرار فریمیسن (Freemason)

تیرھویں صدی ہجری میں انگلی سے فریمیسن تحریک کا آغاز ہوا، اور اس نے رفتہ رفتہ بین الاقوامی شہرت بلکہ مقبولیت حاصل کر لی۔ اودھ اخبار کے مضمون نگار کے بیان کے مطابق عیسائی یہودی اہل کتاب اور اہل اسلام اس تحریک یا مذہب میں شامل ہو سکتے تھے لیکن اہل ہنود اور عورت خواہ کسی قوم یا مذہب کی ہو شامل نہیں ہو سکتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی اکثریت میں اس تحریک کو فروغ نہ ہو سکا البتہ چونکہ اس وقت صاحب اقتدار طبقہ حلقہ بگوش اسلام تھا اس لیے اس تحریک کے اثرات دور رس تھے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اس تحریک کے بنیادی اصول و ضوابط اور طریقۂ کار کو اس طرح صیغۂ راز میں رکھا گیا تھا کہ مدتوں یہ عقدۂ لاینحل بنا رہا۔ اس کے اسباب[2] دو بتائے جاتے ہیں۔

"ایک وہ کہ آدمی بعد فریمیسن ہو جانے کے بخوف ہمزاد شیطان مجسم کے ہر وقت تیغ برہنہ بکف سر پر کھڑا نظر آتا ہے اظہار حال کا کر نہیں سکتا کہ بیم قتل کا یقینی جانتا ہے اور غیر فریمیسن جو کچھ حال بالائی ادھر ادھر سے دریافت کرکے بے محابا لکھنے لگتا ہے اس کے سب فریمیسن لوگ دشمن جان ہو جاتے ہیں اور تا امکان کسی حیلہ و بہانہ و دغا و فریب سے اس کے قتل اور ضرر جان میں دریغ نہیں کرتے" (دیباچہ رسالہ)

اس سربستہ راز کے افشا کی متعدد لوگوں نے اپنے اپنے طور پر کوششیں کیں، دبیر الانشا منشی محمد ظہیر الدین خان بہادر بلگرامی المولد لکھنوی الموطن نے بھی اس سلسلہ میں تحقیق و تدقیق کا بیڑا اٹھایا، لکھنؤ سے کلکتہ تک کے سفر کیے ۱۲۶۸ھ میں کام کی ابتدا کی تھی اور ۱۲۹۱ھ میں اس سے فارغ ہوئے ۲۳ سال کی طویل مدت میں منشی صاحب نے "رسالہ افشائے اسرار فریمیسن" تالیف کیا، جان کا خوف اس رسالہ کی اشاعت میں مانع رہا بالآخر ہمت کرکے مولف نے اس رسالہ کے طبع کرانے کا فیصلہ کیا۔ مولف کے بیانات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اس موضوع پر اس نے پہلی بار لکھنے کی جسارت کی ہے لیکن ۱۰ اپریل ۱۸۶۲ء (مطابق ۱۲۸۰ھ) کے اودھ اخبار میں ایک مضمون "در بیان ماہیت و تحقیق حال فریمیسن" شائع ہوا تھا۔ مولف نے اس مضمون کو بھی اپنی کتاب میں بجنسہ نقل کیا ہے۔ اس میں دو اور شخصوں کی اس موضوع پر کاوشات کا ذکر بھی ہے۔

"بعض انگریز جو خود فریمیسن ہوئے ہیں انھوں نے اس طریقہ اور مذہب کی بہت مذمت کی ہے چنانچہ کپتان ہاٹن صاحب نے جو کوہ منصوری پر رہتے ہیں ایک کتاب اس کی مذمت میں تصنیف کرکے رڑکی کے چھاپہ خانہ میں چھپوائی ہے اور نیز ایک صاحب فریمیسن نے جو سابق دفتر صدر بورڈ میں ملازم تھے اس مذہب کی مذمت میں ایک مضمون اخبار انگریزی میں چھپوایا تھا۔"

بہرحال یہ رسالہ اس موضوع پر ایک دلچسپ اور معلومات افزا تصنیف ہے، اصل تالیف کی زبان فارسی ہے لیکن کسی شخص نے شروع میں اردو میں پانچ صفحات پر مشتمل تعارف یا دیباچہ لکھا ہے، کتاب کے ابتدائی دو صفحے ضائع ہو چکے ہیں، اس کی ضخامت ۴۰ صفحات ہے۔ آخر میں مولوی جواد علی مدرس مدرسۂ خاص کمپنی کے علاوہ میاں داد خاں سیاح کی بھی ایک فارسی تقریظ ہے کتاب کے اوراق شکستہ اور بوسیدہ ہونے کے سبب پڑھنے میں کافی دقت ہوئی۔

میاں داد خاں سیاح کا نام تلامذۂ غالب میں کسی تعارف کا محتاج نہیں، ان کے حالات اور کلام سے متعلق ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی کی کتاب "میاں داد خاں سیاح اور ان کا کلام" ۱۹۵۰ء میں حیدرآباد (دکن) سے شائع ہو چکی ہے اس میں جناب قاضی عبدالودود صاحب کا "تکملہ" بھی شامل ہے۔ اردو والوں کے لیے عموماً اور "غالبیات" پر کام کرنے والوں کے لیے خصوصاً سیاح کے حالات اور ان کی تصانیف دلچسپی کا سبب ہیں۔ زیر نظر رسالہ کی تقریظ میں سیاح نے اپنے چند فارسی اشعار نواب میر غلام بابا کی مدح میں بھی لکھے ہیں، اس کے علاوہ منشی نولکشور سے اپنے تعلقات اور سفر لکھنؤ کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ تقریظ چونکہ سیاح کے حالات وغیرہ کے سلسلہ میں معلومات افزا ہے اور ابھی تک اس کا ذکر کہیں دیکھنے میں نہیں آیا اس لیے اسے ہم تمام و کمال نقل کرتے ہیں، جہاں پر الفاظ یا فقرے پڑھے نہ جا سکے خط کھینچ دیا گیا ہے۔

رسالہ زیر بحث کی ترتیب اس طرح ہے، شروع میں ایک "مقدمہ" ہے جس میں مولف نے رسالہ کی تالیف کے سلسلہ میں اپنی کوششوں اور محنتوں کا ذکر کیا ہے، اس کے بعد "حقیقت دینائی فریمیسن" کے عنوان سے اصل موضوع پر بحث کی ہے اس

---

[1] یہ کتاب جناب نواب سید حیدر علی خان بہادر نبیرہ نواب معین الدولہ بارق خان بہادر برادر نواب نظام الدولہ سید علی خان بہادر کے ذاتی کتب خانے میں ملی ہے، اس سلسلہ میں زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ نواب نظام الدولہ مرحوم بھی فریمیسن تھے غدر ۱۸۵۷ء کی دار و گیر کے بعد نواب نظام الدولہ مرحوم کی رہائی کے اسباب کا ذکر کرتے ہوئے مولوی نجم الغنی لکھتے ہیں:

[2] "ایک وجہ اور بھی تھی کہ یہ فریمیسن بھی تھے اس جہت سے اس فرقہ میں موافق حق برادری ایک دوسرے پر بشرط اختیار لازم ہوتا ہے۔" تاریخ اودھ ۵/ص ۲۶۲

سلسلہ میں اقتباس ذیل سے تحریک مذکور کی مقبولیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

"اول ابتدائی شغف ہماں اس قدر اک حقیقت حالش می باشد دوم چوں دیدند کہ برہیچ مذہب از موسیٰ وکافر ویہود ونصاریٰ وغیرہم موقوف نبودہ است وہر چیز کہ باشد برو پالان است ودر احکام اصل ایشاں ظاہرا فرقی وفتوری راہ نمی یابد لہذا بسیار بردل پا مستعمل شدہ است سوم فوائد دنیوی ہم درین واقع رسیدہ اند کہ یک دیگری ہم جنس خود را ہیچ گونہ محتاج نخواہند دید، چہارم در ہر حال مصیبت وضرورت از جان ومال وجاہ واہانت روحی وجسمی شریک وسہیم یکدگری باشند بخلاف دگر مذاہب وفرق کہ در دوستاں وبرادراں باہم جنگ است"

اس کے بعد فصل در بیان اصل ماہیت وحقیقت فریمسن ودیگر حالات متعلق بہا "بعد رسیدن کلکتہ از شخص ثقہ واقعہ حال مسلم الثبوت بہ ثبوت وتنقیح پیوست بجامہ سپردہ میشود۔ اور عبارت تقریظ درباب تنقیح وتصدیق مقدمہ فریمسن کہ مولوی جواد علی صاحب فاضل متبحر مسلم الثبوت مدرس مدرسہ خاص کمپنی ومعاون علمای اولو الباب مدرسہ ملکی حسب تحقیق وتنقیح ومشاہدہ رای العین بہ قلم خاص خود بر خامہ سپردہ وبنابر مزید توثیق واعتبار مہر خود ہم در آخرش ثبت فرمودند" اور "تائید وتصدیق دیگر کہ بعد تکمیل رسالہ بہ مولف این رسالہ منتہ بہم رسید۔۔۔ نقل اودھ اخبار در بیان ماہیت وتحقیق حال فریمسن نمبر ۱۶ جلد ۴ صفحہ ۲۷۰ مطبوعہ ۱۶ اپریل ۱۸۶۲ء (بہ زبان اردو)

کتاب کی کیفیت اور تحریک فریمسن کا ایک اجمالی خاکہ سیاح کی تقریظ سے بھی سامنے آجاتا ہے جو درج ذیل ہے۔

تقریظ رسالۂ نادرہ افشای اسرار فریمسن ریختۂ خامۂ نادر نگار منشی میاں داد خاں صاحب سیاح معتمد خاص سرکار ابد قرار نواب میر غلام بابا خاں صاحب بہادر رئیس سورت۔

طلسم کشائی تقریر تجبیہ محامد کبریائی کہ انسان ضعیف البنیان را بہ تشریف "بنی آدم" مخلع فرمودہ طاقت گرہ کشائی عقود سربستہ رازہای نہفتہ در رازہ سحر نشکی تقریر بہ نعت مستوتیکہ علل فاسدہ وحرکات شیطانیہ مبین وتردوم کرامت لزدم وہدایت حاشش از پایۂ اعتبار در افتادہ فضل الصلوٰۃ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین بر رأہ خواجہ ارباب بصائر کہ عکس پزیر عجائب عالم ونقش گزین غرائب موجودہ بنی آدم است مخفی مباد کہ بارہ از زمانہ گذشتہ باشد کہ خاکسار ہیچمدان بہ رسم سیر وسیاحت دیارکہ از بدو نظم اشتراق وتفنیات خاطر را در سیر وتفریح امصار انحصار کردہ اند بل زمانیان بہ فرد سیاحت نام کنند ہم بہ میاں داد خاں سیاح اشتہار دارند وارد دار السلام لکھنؤ کہ با این ہمہ شکستہ حالی شاہد رعنائی علوم وفنون در کنار دارد فراگردیدم وبہ البقہ رابطۂ محبت بہ والا کاشانۂ دوست دلنواز سرمایۂ نازش دوستاں سراپا نیاز گلگونۂ عارض مروت ووفا شادکش طرۂ حسن اخلاق کہ در داتح تجلی زنگ نفاق است وصیقلی منجلی زنگ اتفاق نام گرامیش بہ منشی نولکشور مالک مطبع اودھ اخبار اشتہار دارد رخت سفر بکشادم وبہ واسطۂ شفیق ممدوح الصدر تلاقی عائد شہر را آرزو کردم چوں خانۂ بی تکلفش را مرجع خاص وعام کردہ اند اکثری اہل جوہر وکمال در خورد ہم خاصتہ از بزرگ عالی جاہی بلند فکری سحبان زبانی شیریں بیانی خسرو زمانی صاحبدلی صوفی مشربی کہ نامش نامی دبیر الانشا منشی محمد ظہیر الدین خان بہادر بلگرامی است شرف ملازمت دریافتم واز بلیغ کلامش وصحبت ہای متعددہ لطفی برداشتم پسندیدہ وسنجیدہ عبارتش چناں پسند خاطرم افتاد کہ اگر سعدی عصرش خوانم بجا است واگر خاقانی ثانیش گویم سزا بعجائبہ مجوبۂ تقاضایش بہ دلم خلید کہ این عرائس زیبا وانوار سربستہ مشام آرا بہ عالی حضرت قدر قدرت سلیمان مرتبت خورشید سپہر کرامت وجمشید فرسادہ مجد منت زیبا نگیں خاتم مجد، اجلال تو نگین لوا آئین کشور جاہ وجلال نخل بید مہ وش۔ فرہنگ وعقل بحر محیط دنیائی فراست بہیر روی صمصام شہامت جلوہ دہ لعبت دلفریب ہمت رشناس نیک اختر خجستہ انفاس نکتہ فہم اسرار کہن دقیقہ یاب نکات سخن نقاد نقود سلاست بیانی طرفدار تاج ستان اقالیم معانی اقائی نامدار فلک اقتدار نواب میر غلام بابا خاں صاحب بہادر رئیس سورت کہ در زمانہ بعلم وہنر وعموم کرم خودش یکتائی است حالی وذا دکر انداشتہ بالاخراماں سعادت سخن درا اند از عتبہ بوس ثنایش معترفت بہ عجز وقصور است وشکر سپاس نوازی او مافتش برجملہ ارباب خرد وذکا واجب زیرا ہر فرد را از صفات حسنہ وخصائل حمیدہ در ذات والائش تحریر کردہ اند ودر اجتماع رضیہ سجایا وگزیدۂ محامد وجود باجودش را بی ند ونظیر دانستہ اند چنانچہ بے ساختہ چند اشعار بہ توصیف والائش از دل بر زبان گذشتہ

اشعار

عتبہ اش سجدہ گاہ سجدہ فروز — وصف او کفر کاہ دل افروز

داوری کفر دشمن ودین یار — بہ دوئی ولوقی خوان وبہار

گرکنم از سخاوتش تقریر — خامہ برخیزدم پی تعظیم

ارجمنداں بہ زیر سایۂ او — خود پسنداں فرید پایۂ او

رونق بزم ارجمند سبب — بانع وہم خود پسندی ہا

زعطایش چو گو پرافشانم — خامہ گوید کہ ابر نیساں نم

زبیان سخاوتش بہ زبان — می نیاید سخاوت نیساں

خندہ اشہر یار ملک کرم — کہ ندارد

ـــــ ہادیٔ اسلام

(باقی صفحہ ۸ کالم ۲ پر)

آہٹ

واحد علی بانگے

جب نظر اٹھاتا ہوں
تیرے حسن و سیرت کی
گمشدہ سی تصویریں
ذہن کے دریچے سے
جھانکتی ہی رہتی ہیں
ہاں! مگر تسلسل تیرا
سرسری عبارت کے
پیچ و خم میں گم ہو کر
ڈھونڈھتا ہے رہبر کو
زرد حاشیہ لیکن!
فکر کے شکست سے چھیڑ چھاڑ کرتا ہے
اب فسردہ سطریں بھی
نیم باز آنکھوں سے
منجمد خیالوں کا انتظار کرتی ہیں

احساسِ اجنبیت

صبا جائسی

تمہارا کندن سا جسم کتنا شراب سے اب لبک اٹھا ہے
تمہارے یاقوت جیسے ہونٹوں پہ کتنی سرخی مچل گئی ہے
تمہاری نیلم کی جیسی آنکھیں شفق میں غوطے لگا رہی ہیں
تمہارے نازک سے دستِ دلکش پہ شاخِ گل کا گماں ہوا ہے
تمہارے عارض کا تپتا سونا بڑی ادا سے پگھل رہا ہے
تمہارے دانتوں کی کچی چاندی سے جوئے کوثر رواں ہوئی ہے
تمہاری خاکستری سی زلفوں میں کتنے سورج چمک رہے ہیں
تمہارے اندازِ گفتگو پہ عجیب مستی سی چھا گئی ہے
تمہاری ہستی تو دلکشی کے کچھ اپنے غازہ میں دب گئی ہے
کہ میری چشمِ جمال دیدہ میں اجنبی بن کے رہ گئے ہو
ہر ایک کوچے ہر اک گلی میں میں تم کو آواز دے رہا ہوں
ہر اک مسافر ہر ایک رہرو سے رک کے تم کو میں پوچھتا ہوں
مگر تمہارا پتہ نشاں تک کبھی کوئی بھی مجھ کو بتا نہ پایا
تمہاری ہستی کا حسنِ رنگیں ہر ایک موجود شے پہ ہے
مگر یہ احساسِ اجنبیت شدید سے اب شدید تر ہے
میں جب کبھی تم کو دیکھتا ہوں تو صرف اتنا ہی سوچتا ہوں
کہ تم جو اتنے حسیں نہ ہوتے تو اجنبی کی طرح نہ لگتے
تمہارا کندن سا جسم کتنا شباب سے اب دمک اٹھا ہے۔

مہاراشٹر میں اردو کے ساتھ ناانصافی توجہ طلب

قطب الدین جمعدار

مہاراشٹر میں اردو زبان کو ثانوی حیثیت حاصل ہے اور ایک عرصے سے اسکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جا رہی ہے بمبئی یونیورسٹی میں اردو اور فارسی پی۔ ایچ ڈی کے معیار تک پڑھائی جاتی ہے۔ تقریباً یہی حال عربی اور اسلامک کلچر کا ہے۔ ان مضامین کی تعلیم مہاراشٹر کی اور یونیورسٹیوں میں بھی دی جاتی ہے۔ مہاراشٹر ہندوستان کا وہ خوش قسمت صوبہ ہے کہ جہاں پر فرقہ واریت دیگر صوبوں کے مقابلے میں کم ہے۔ لیکن اس فراخدلی اور وسیع النظری کے باوجود جو کھیر وزارت سے لے کر نائک وزارت تک اس صوبہ کا معمول رہی ہے، اردو، عربی، فارسی اور اسلامک کلچر کی تعلیم سے حکومت بے توجہی برت رہی ہے اور ان مضامین کی ترقی و فروغ پر کوئی توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔

ہندوستان کی تقسیم کے بعد یکے بعد دیگرے بمبئی ہی نہیں بلکہ ساری ریاست مہاراشٹر کے ممتاز کالجوں مثلاً راجہ رام کالج اور الفنسٹن کالج سے فارسی اور عربی اور پھر اردو کے شعبے بند کر دئے گئے۔ ابتدا ہی سے الفنسٹن کالج میں یہ سارے مضامین ایم۔ اے تک پڑھائے جاتے تھے اور پروفیسر مرزا حیرت، سردار عبدالقادر سرفراز، پروفیسر ڈاکٹر جیلانی، ڈاکٹر عالی جعفری، پروفیسر حضرت شیخ، ڈاکٹر عبدالستار دلوی اور ڈاکٹر میمونہ دلوی جیسے ممتاز حضرات ان مضامین سے متعلق اپنی علمی و تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد پہلے عربی اور فارسی کے شعبے ختم کیے گئے اور صرف اردو میں اسسٹنٹ لکچرر کی جگہ رکھی گئی۔

اردو کے شعبے کو الفنسٹن کالج میں برقرار رکھنے کے لیے طلبہ کی ایک معقول تعداد ہوتے ہوئے بھی آخری جون ۱۹۶۳ء میں اس کالج میں بھی یہ شعبہ بند کر دیا گیا اور اس کی وجہ کالج میں طلبہ کی تعداد کم بتائی جانے لگی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جون ۱۹۶۳ء میں کئی اردو والے طلبہ نے اس کالج میں داخلہ لیا تھا۔ اگر الفنسٹن کالج سے شعبہ اردو کے بند ہونے کی وجہ اردو پڑھنے والے طلبہ کی کمی ہو سکتی ہے تو اسی بنیاد پر چند اور شعبے بھی بند ہو جانے چاہیے تھے، جن میں طلبہ کی تعداد دو یا تین سے آگے نہیں بڑھتی اور جن کے پڑھانے کے لیے لکچرار کی جگہ رکھی گئی ہے۔ مثلاً اسمٰعیل یوسف کالج میں فرانسیسی طلبہ کی تعداد پانچ یا چھ سے شاید ہی آگے بڑھی ہو، تقریباً یہی حال الفنسٹن کالج میں جرمن زبان کا ہے۔

انگریزی، ہندی، مرہٹی، سنسکرت، فرانسیسی اور جرمن زبان میں پروفیسر شپ ہے اور ایک مضمون میں کئی پروفیسر ہیں، لیکن اگر کسی مضمون میں پروفیسر شپ نہیں ہے تو وہ اردو، عربی، فارسی اور اسلامک کلچر ہیں۔

(ملیشر)

مراسلات

اردو دوستوں سے چند باتیں

۱۵ اپریل ۱۹۶۶ء کے "ہماری زبان" میں آپ نے یہ "برا بھی" کے عنوان سے چند سطریں شائع کرکے بڑی جرأت مندی سے کام لیا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ جرأت مندی یہ ہوگی کہ اس سے ضروری نتائج اخذ کیے جائیں اور ان پر عمل کیا جائے۔

ادھر کئی برس سے "ہماری زبان" میں جو مضامین و مراسلات شائع ہو رہے ہیں ان میں سے اکثر یہ ناخوشگوار تاثر پیدا کرتے ہیں کہ اردو زبان و ادب کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ خط غلط، املا غلط، انشا غلط۔ اردو زبان کا سیکھنا اور سکھانا بہت مشکل ہے کیونکہ اس کی ہر چیز منطق، سائنس اور لسانیات کے خلاف ہے۔ اردو ادب کا دامن محدود ہے۔ وہ پوری طرح ہندوستانی نہیں ہے۔ اس میں تمام فرقوں کے افراد اور روایات کو برابر کی جگہ نہیں دی جاتی۔ اردو کے مستند محقق اور نقاد تحقیق و تنقید کی مبادیات سے ناواقف ہیں۔ ان کے کارنامے سہل انگاری اور غلط نویسی کا نمونہ ہیں اور وہ آج کل کے نوآموز محققین اور ناقدین کی ان بلند پایہ تحریروں کے آگے نہیں ٹھہر سکتے جو صرف دوسروں کی غلطیاں نکالنے کے لیے لکھی جاتی ہیں۔ غرض یہ کہ ایک طویل فرد جرم ہے جو لفظاً یا عملاً سامنے آتی رہتی ہے۔ "ہماری زبان" کے صفحات کو یہ افتخار بھی حاصل ہے کہ کبھی کبھی سرکاری بے اعتنائی یا مخالفت کا سلسلہ اردو کی بعض مفروضہ یا حقیقی کوتاہیوں سے ملایا جاتا ہے جس سے یہ دل شکن احساس پیدا ہوتا ہے کہ کیا کیا جائے ہماری زبان ہی ایسی ہے کہ اسے آسانی سے آئینی، قانونی یا تعلیمی حیثیت نہیں دی جا سکتی۔

قطع نظر اس کے کہ یہ باتیں کتنی بے بنیاد ہیں، اردو والوں کا یہ رویہ خود ان کے اس موقف کے خلاف ہے جو انھوں نے اردو کو علاقائی یا سرکاری زبان کی حیثیت دلانے کے لیے اختیار کر رکھا ہے۔ اگر ابھی زبان کے بنیادی خط و خال ہی کے بارے میں ہزاروں شبہات اور اختلافات ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس زبان کے لیے جد و جہد کر رہے ہیں۔ اس زبان کے لیے جو اس وقت موجود ہے یا جو ان کی نو بہ نو اصلاحوں اور تجویزوں کے بعد ابھی خاکستر سے سامان وجود حاصل کرے گی۔ اردو میں منطق، سائنس اور لسانیات کا علم بلند کرنے والے کیا اس سے ناواقف ہیں کہ دنیا کا کوئی مروج رسم خط یا زندہ زبان منطقی، سائنسی یا لسانی اعتبار سے مکمل نہیں ہے اور نہ کسی زبان کی بقا اور ترقی کے لیے یہ لازمی ہے؟ کیا انھیں رسم خط اور زبان کی اصلاح کی عملی دشواریوں کا اندازہ نہیں ہے؟ کیا وہ ان امور میں فطری عوامل کے بجائے مصنوعی طریقوں پر زیادہ بھروسا رکھتے ہیں؟ یا اردو کے مخالفین کا جادو ان پر ایسا چل گیا ہے کہ انھیں اپنی زبان میں خامیاں ہی خامیاں نظر آتی ہیں؟ یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ اردو والے جس سائنس میں مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیتے ہیں اسی سائنس میں ان کے اعتراضات کے بموجب اردو زبان و ادب کی اصلاح کے درپے دکھائی دیتے ہیں۔ اردو کے مخالفین کی کامیابی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود اردو کے حلقوں میں کھلبلی مچ گئی ہے اور سراسیمگی اور عدم اعتماد کی ایک ایسی فضا پیدا ہو رہی ہے جس میں اردو زبان و ادب کی صحیح تعلیم اور ترقی کا تصور روز بروز مشکل ہوتا جاتا ہے۔ اردو کے بہی خواہوں کو یہ بات سمجھنا چاہیے کہ اردو کی مخالفت کے اسباب کا تعلق زیادہ تر سیاست اور لسانی عصبیت سے ہے۔ اگر اردو رسم خط، زبان اور اس کی بعض روایات کو منطق، سائنس اور لسانیات کے زریں اصولوں کے عین مطابق کر بھی لیا جائے تو اس سے اردو کی مخالفت کا سد باب نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس قسم کی بے سروپا نکتہ چینی اور عیب جوئی سے خود اپنے ہاتھوں اردو کو نقصان پہنچنے کا قوی اندیشہ ہے۔

اردو زبان و ادب کی اصلاح اس میں شک نہیں کہ وقت کا ایک اہم تقاضا ہے مگر یہ کوئی نئی بات نہیں۔ زمانے کے انقلابات کے ساتھ ہر دور میں تغیر و اصلاح کا عمل رونما ہوا ہے اور آئندہ بھی ہوگا لیکن یہ عمل مخالفین کے ان حربوں کا تابع نہ ہوگا جن کی نوعیت سیاسی ہے اور اگر ہوا تو اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اسی طرح تغیر و اصلاح کے عمل کا معیار ان موشگافیوں سے بھی یقیناً بلند ہوگا جس کا نمونہ "ساڑھے چھ اور سوا پانچ" جیسے مباحث میں پیش کیا جا رہا ہے۔ آنسہ نور العین صدیقی نے اردو میں اعداد کسور اور اشاریہ کے لکھنے کے مقررہ و مسلمہ طریقے کی وضاحت بڑی خوبی سے کر دی ہے لیکن وہ بھی دائیں اور بائیں کے تضاد میں الجھے بغیر نہیں رہ سکیں اور یہ مہلک جملے ان کے قلم سے نکل ہی گئے کہ "ابتدائی مدارس میں گنتی لکھنا سکھاتے وقت اس الجھن کا بہت تلخ تجربہ ہوتا ہے۔ بعض بچے تو بڑے ہونے تک ۸۴ کو ۴۸ اور ۴۸ کو ۸۴ لکھ جاتے ہیں۔"

میرے خیال میں اگر ایسا ہوتا ہے تو دماغی کمزوری کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اس میں گنتی لکھنے کے طریقے کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اس طرح کی غلطیاں انگریزی اور ہندی میں بھی ہو جاتی ہیں۔ اگر اردو میں گنتی لکھنے کا طریقہ منقلب کر دیا جائے یا گنتی لکھنے کے موجودہ طریقے سے مطابقت کے لیے اردو بائیں طرف سے لکھی جانے لگے تو بھی ایسی الجھنیں اور غلطیاں ختم نہ ہوں گی کیونکہ دماغی کمزوری کا علاج کسی زبان یا علم (طبی علوم کو چھوڑ کر) کے پاس نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اگر گنتی کا لکھنا سکھانے میں بچوں کے ذہن پر یہ غلط نقش بٹھا دیا جائے کہ اردو میں گنتی لکھنا بھی مشکل ہے تو صحیح ذہن رکھنے والے بچوں پر بھی اس کا برا اثر پڑ سکتا ہے کیونکہ ہر چیز کے سیکھنے میں نفسیات کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔ ہمارے اساتذہ تو مشکل سے مشکل چیز کو آسان کہہ کر

آسانی سے ذہن نشین کرا دیتے تھے۔ ہم آسان چیزوں کو بھی مشکل بنا کر پیش کریں گے تو مشکل چیزوں کا کیا حشر ہوگا۔ کیا تمام مشکلات زبان اور علوم سے خارج کر دی جائیں گی۔ علم و آگہی کے میدان میں سہولت پسندی کا دخل شاید ہمارے زمانے کا سب سے معز رجحان ہے۔ جس کے خطرناک اثرات کافی نمایاں ہو چلے ہیں۔ ہمیں یہ محسوس کرنا چاہیے کہ کہاں ذہن کا قصور ہے اور کہاں زبان کا۔ بعض بچوں یا بڑوں کی ذہنی کمزوری کی بنا پر اگر زبان کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا گیا تو زبان تو ضرور خلل دماغ کے معیار پر آجائے گی لیکن خلل دماغ اپنی جگہ پر رہے گا اور زبان کی اصلاح کے بعد بھی نئی نئی شکلوں میں اپنا جلوہ دکھاتا رہے گا۔

"ہماری زبان" کے اسی زیر بحث شمارے میں "رہائش" کے متعلق یہ لکھ کر کہ آج کل اس لفظ کا استعمال عام ہو رہا ہے دریافت کیا گیا ہے کہ "کیا رہائش کو اردو لفظ قرار دیا جا سکتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا اور الفاظ کی تشکیل اس طرح ہو سکتی ہے؟ اور اگر جواب نفی میں ہے تو پھر رہائش کا اردو مرادف کیا ہے؟" جواباً گذارش ہے کہ "رہائش" آج سے بہت پہلے کے معیاری اردو لغات میں موجود ہے اس لیے اسے اردو کا لفظ قرار دینے میں کوئی قباحت نہیں معلوم ہوتی۔ رہ گیا یہ سوال کہ کیا اور الفاظ کی تشکیل بھی اس طرح ہو سکتی ہے تو اس کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ لیکن ان کی تشکیل کسی قاعدے کے مطابق نہ ہوگی بلکہ اسی طرح بے قاعدہ ہوگی جیسے "رہائش" کی ہوئی ہے اور اس کی صحت کا انحصار چلن اور رواج پر ہوگا نہ کہ الفاظ سازی کی کوشش پر۔ کسی زندہ زبان کی ایک دلچسپ پہچان بے قاعدہ الفاظ کا ذخیرہ بھی ہے کیونکہ ایسے الفاظ چلن اور رواج کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اردو کی روایات قابل فخر ہیں۔ قواعد پرستی کے زعم میں نہ تو ان الفاظ کو خارج کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس کے برعکس ایسے الفاظ بنانے کی کوئی مہم چلانے کی، کیونکہ یہ دونوں باتیں زبان کی انفرادیت اور فطری ارتقا کے منافی ہوں گی۔ (ابو محمد سحر)

آغا شورش کاشمیری کے ایک مراسلے کے سلسلے میں

۲۲ اپریل کا پرچہ پیش نظر ہے اس کے ایک مراسلے میں سابق کے ایک مکتوب نگار کے سید فضل المتین کے مکتوب مندرجہ ۲۲ مارچ کی چار عبارتوں پر گرفت کی گئی ہے۔ عبارتیں یہ ہیں:

۱۔ "ابھی حسال میں"
۲۔ "کوئی اعلیٰ پایہ کا خوشخط"
۳۔ "ایک اہم ترین"
۴۔ "موقلم کی کاوش"

مجھ کم سواد کو ان چاروں میں زبان کی کوئی بھی غلطی نظر نہ آسکی۔ "حال میں" میں تاکید و زور پیدا کرنے کے لیے "ابھی" کا اضافہ، اسی طرح خوشخط پر "اعلیٰ پایہ کا" کا اضافہ اور "اہم" پر "ترین" کا اضافہ محاورہ و روزمرہ میں بالکل جائز ہے۔ اور "موقلم کی کاوش" کی غلطی تو اور بھی سمجھ میں نہ آئی۔

فصحا کا استعمال لغت و صرف و نحو کے ہر قاعدہ پر حاکم ہے "محکوم نہیں"۔ "اہم" اردو میں لازمی طور پر افعل التفضیل نہیں۔ "اہم تر" "اہم ترین" دونوں بالکل درست ہیں۔

(عبد الماجد دریا آبادی)

ایک استفسار

قارئین ہماری زبان سے التماس ہے کہ مندرجہ ذیل چیزوں کے بارے میں انھیں کچھ علم ہو تو از راہ کرم مجھے مطلع فرمائیں۔

(۱) اردو کی سب سے پہلی کتاب کس پریس میں چھپی، اس کا کیا نام ہے۔

(۲) اردو کی پہلی باتصویر کتاب کون ہے اور کس پریس سے شایع ہوئی۔

(۳) اردو کی لکھائی چھپائی کے اعتبار سے سب سے خوب صورت کتاب کون مانی جاتی ہے وہ کس پریس سے شایع ہوئی ہے۔

(۴) اردو میں بچوں کے لیے نثر میں سب سے پہلی کتاب کونسی لکھی گئی اور اس کے مصنف کا کیا نام تھا۔

(۵) اردو میں بچوں کا سب سے پہلا رسالہ کونسا تھا کس مقام سے شایع ہوا اور اس کے اڈیٹر کون تھے۔

(۶) اردو میں خواتین کا کون سا رسالہ سب سے پہلے شایع ہوا اور اس کا اڈیٹر کون تھا۔

(۷) اردو میں صنعت و حرفت یا زراعت پر کوئی رسالہ شایع ہوا ہے یا نہیں؟

(۸) اردو میں سب سے پہلا فلمی رسالہ کون سا شایع ہوا ہے

(۹) اردو میں فن طبابت کے بارے میں سب سے پہلا رسالہ کونسا شایع ہوا اور اس کے اڈیٹر کون تھے۔ (شریف الحسن لاہروی)

انجمن کی شاخوں کی تنظیم کے قواعد

(یہ قواعد ۲۱ اپریل ۱۹۶۶ء کی مجلس عاملہ وعام کے مشترکہ جلسے میں منظور ہوئے)

(۱) انجمن کی شاخیں مندرجہ ذیل اقسام کی ہوں گی۔

(الف) مقامی۔ (ب) ضلعی۔ (ج) ریاستی۔

(۲) (الف) مقامی شاخ کسی گاؤں، قصبے یا شہر میں قائم کی جاسکتی ہے۔

(ب) ضلعی شاخ ہر ضلع میں مقامی شاخوں کے نمایندوں پر مشتمل ہوگی۔ اگر کسی ضلع میں مقامی شاخیں نہ ہوں تو پورے ضلع کی ایک شاخ بھی قائم کی جاسکتی ہے۔

(نوٹ) دہلی میں ہر پارلمانی حلقے کو انجمن کی شاخ کے قیام کے لیے ایک ضلع تصور کیا جائے گا۔

(ج) ہر ایسی ریاست میں جہاں کم از کم پانچ ضلعی شاخیں موجود ہوں انجمن کی ایک ریاستی شاخ قائم کی جاسکتی ہے جو ضلعی شاخوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوگی۔ ریاستی شاخ کا دفتر عموماً ریاست کے صدر مقام میں ہوگا۔

(نوٹ) دہلی، بمبئی اور کلکتے میں انجمن کی ریاستی شاخیں خصوصی طور پر قائم کی جائیں گی جو پارلمانی حلقوں کی شاخوں کے نمائندوں پر مشتمل ہوں گی۔

(۳) (الف) ہر مقامی شاخ کو اختیار ہوگا کہ اپنے ممبروں کی تعداد کے لحاظ سے ضلعی شاخ کی رکنیت کے لیے اپنے نمائندے اس حساب سے منتخب کرے کہ ہر بیس ممبر پر ایک نمائندہ اور بقیہ ممبروں پر ایک نمائندہ بشرطیکہ بقیہ ممبروں کی تعداد دس سے کم نہ ہو۔ یہ سب نمائندے ضلعی شاخ کی مجلس عام کے رکن ہوں گے۔

(ب) ہر ضلعی شاخ کی مجلس عام کو اختیار ہوگا کہ اپنے ممبروں کی تعداد کے لحاظ سے ریاستی شاخ کی رکنیت کے لیے اپنے نمائندے اس حساب سے منتخب کرے کہ ہر دس ممبر پر ایک نمائندہ اور بقیہ ممبروں پر ایک نمائندہ بشرطیکہ بقیہ ممبروں کی تعداد پانچ سے کم نہ ہو۔ یہ سب نمائندے ریاستی شاخ کی مجلس عام کے رکن ہوں گے۔ (نوٹ) اگر کسی ضلع میں مقامی شاخیں نہ ہوں اور پورے ضلع کی صرف ایک ہی شاخ ہو تو وہ ریاستی شاخ کی رکنیت کے لیے اپنے نمائندے اس حساب سے منتخب کرے گی کہ ہر دو سو ممبر پر ایک نمائندہ اور بقیہ ممبروں پر ایک نمائندہ بشرطیکہ بقیہ ممبروں کی تعداد ایک سو سے کم نہ ہو۔

(۴) صدر انجمن کو اختیار ہوگا کہ ہر ریاستی شاخ کی مجلس عام کی رکنیت کے لیے زیادہ سے زیادہ پانچ اشخاص کو نامزد کریں۔

(۵) ہر ریاستی شاخ کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنا ایک نمائندہ مرکزی انجمن کی مجلس عام کی رکنیت کے لیے منتخب کرے، یہ انتخاب ریاستی شاخ کی مجلس عام کے باقاعدہ جلسے میں کیا جائے گا۔ یہ نمائندہ تین سال تک مرکزی انجمن کی مجلس عام کا رکن رہے گا، بشرطیکہ اس کی ریاستی شاخ کی رکنیت برقرار رہے۔

(۶) (الف) مقامی شاخوں کی رکنیت کا سالانہ چندہ پچیس پیسے ہوگا۔

(ب) جن اشخاص کو مقامی شاخیں ضلعی شاخ کی رکنیت کے لیے منتخب کریں گی ان کو ایک روپیہ سالانہ ضلعی شاخ کی رکنیت کا چندہ ادا کرنا ہوگا۔

(ج) جن اشخاص کو ضلعی شاخیں ریاستی شاخ کی رکنیت کے لیے منتخب کریں گی ان کو تین روپے سالانہ ریاستی شاخ کی رکنیت کا چندہ ادا کرنا ہوگا۔ (نوٹ) ریاستی شاخ کے نامزد ارکان کو بھی تین روپے سالانہ چندہ ادا کرنا ہوگا۔

(۷) ہر مقامی شاخ اپنے ضلع کی شاخ کو اور ہر ضلع کی شاخ اپنی ریاست کی شاخ کو اور ہر ریاست کی شاخ مرکزی انجمن کو اس آمدنی کا دسواں حصہ ادا کرے گی جو اس شاخ کو رکنیت کے سالانہ چندے سے ہوگی۔

(۸) مقامی ضلعی اور ریاستی شاخوں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے عہدہ داروں اور مجلس عاملہ کے ارکان کا انتخاب کریں۔ یہ انتخاب ہر سال ہوگا۔ اور اس میں وہی ارکان حصہ لیں گے جنھوں نے انتخاب کی تاریخ سے ایک ہفتہ پہلے سالانہ چندہ ادا کر دیا ہو۔ (نوٹ) مقامی شاخوں کے انتخاب جنوری کی ۱۵ تک ضلعی شاخوں کے جنوری کی ۳۱ تک اور ریاستی شاخوں کے فروری کے آخر تک مکمل ہو جانا چاہیے۔

(۹) ہر ریاستی شاخ کے سکریٹری کا فرض ہوگا کہ فروری کے آخر تک اس ریاست کی سب شاخوں کی کارگزاری کی سالانہ رپورٹ مرکزی انجمن کے جنرل سکریٹری کے پاس بھیج دیں، یہ بھی ضروری ہوگا کہ شاخوں کی آڈٹ رپورٹ اپریل کے آخر تک جنرل سکریٹری کے پاس پہنچ جائے۔

(۱۰) ریاستی شاخوں کو اختیار ہوگا کہ اپنی ماتحت ضلعی شاخوں کے کام کی نگرانی کریں، اور حسب ضرورت ہدایات جاری کریں۔ اسی طرح ضلعی شاخوں کو اپنی ماتحت مقامی شاخوں کی نگرانی اور ہدایت کا اختیار ہوگا۔

(۱۱) اگر کسی ریاست میں ریاستی شاخ نہ ہو تو مرکزی انجمن کے جنرل سکریٹری کو

اختیار ہوگا کہ صدر انجمن کے مشورے سے ایک عارضی کمیٹی مقرر کریں۔ اس کمیٹی کا فرض ہوگا کہ ریاستی شاخ کے قیام سے متعلق ضروری کارروائی چھ مہینے کے اندر مکمل کرے اور جب تک ریاستی شاخ نہ قائم ہو اس وقت تک اس ریاست کی سب ضلعی شاخوں کی نگرانی بھی کرے۔ ریاستی شاخ کے قیام کے بعد یہ کمیٹی اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جائے گی۔

(۱۲) صدر انجمن کو اختیار ہوگا کہ کسی شاخ کے دفتر کے معائنہ یا اس کی کارگزاری کی جانچ کے لیے مرکزی انجمن کے کسی رکن کو نامزد کریں یا ارکان کی ایک کمیٹی مقرر کریں۔ اس معائنہ یا جانچ کی رپورٹ صدر کی خدمت میں پیش کی جائے گی اور اگر صدر کی رائے میں کسی کارروائی کی ضرورت ہوگی تو وہ ہدایات صادر کریں گے۔

(۱۳) (الف) اگر کوئی ریاستی شاخ انجمن کے اغراض و مقاصد کی خلاف ورزی کرے یا قواعد کی پابندی نہ کرے تو مرکزی انجمن کی مجلس عاملہ کو اختیار ہوگا کہ اس سے جواب طلب کرے اور اگر اس کا جواب قابل اطمینان نہ ہو تو اس کے الحاق کو منسوخ کر دے اور دوسری ریاستی شاخ کے قیام کے لیے ضروری کارروائی کرے۔

(ب) ریاستی شاخوں کی مجالس عاملہ کو اختیار ہوگا کہ شدید بے عنوانی کی صورت میں اپنی ماتحت کسی ضلعی شاخ کے الحاق کو منسوخ کر دیں اور دوسری شاخ کے قیام کے لیے ضروری کارروائی کریں۔ الحاق کی منسوخی سے پہلے متعلقہ شاخ کو الزامات کے جواب کا پورا موقع دیا جائے گا۔ متعلقہ شاخ کی مجلس عاملہ کو حق ہوگا کہ وہ الحاق کی منسوخی کے خلاف مرکزی انجمن کی مجلس عاملہ سے اپیل کرے جس کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔

(ج) ضلعی شاخوں کی مجالس عاملہ کو اختیار ہوگا کہ شدید بے عنوانی کی صورت میں اپنی ماتحت کسی مقامی شاخ کے الحاق کو منسوخ کر دیں اور دوسری شاخ کے قیام کے لیے ضروری کارروائی کریں۔ الحاق کی منسوخی سے پہلے متعلقہ شاخ کو الزامات کے جواب کا پورا موقع دیا جائے گا۔ متعلقہ شاخ کی مجلس عاملہ کو حق ہوگا کہ الحاق کی منسوخی کے خلاف ریاستی انجمن کی مجلس عاملہ سے اپیل کرے جس کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔

(۱۴) ریاستی شاخوں کی مجالس عاملہ کو اختیار ہوگا کہ انجمن کے اغراض و مقاصد اور آئین و ضوابط کو مد نظر رکھتے ہوئے اور شاخوں سے متعلق مذکورہ بالا قواعد کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی ضرورتوں کے لیے ضمنی قواعد مرتب کریں۔ ان ضمنی قواعد کی نقل منظوری کے فوراً بعد انجمن کے جنرل سکریٹری کے پاس بھیجنا ضروری ہوگا۔ اگر جنرل سکریٹری کی رائے میں ان ضمنی قواعد کی کوئی دفعہ انجمن کے اغراض و مقاصد، آئین و ضوابط یا شاخوں سے متعلق قواعد سے متصادم ہوگی تو وہ اپنی اس رائے کو انجمن کی مجلس عاملہ کے سامنے پیش کریں گے جس کا فیصلہ اس بارے میں قطعی ہوگا اور جس کی پابندی ریاستی شاخ کے لیے لازمی ہوگی۔

(۱۵) مذکورہ بالا قواعد کے مفہوم کے بارے میں اگر کوئی اختلاف ہوگا تو تشریح و توضیح کا اختیار صدر انجمن کو ہوگا جن کا فیصلہ قطعی اور آخری ہوگا۔

صفحہ ۴ سے آگے

۔شاہدان زیبا خلوت۔ دشگفتہ اش گل کنم۔ تصانیف کثیرہ اش دقائق نسخہ بہ انشائی اسرار فریس را نعمتی غیر مترقبہ از انعامات خدائی نعیم است برچیدم و برہم ارمغان وروا در دستِ حضور پر نور آقائی نعمت خود پیش کردہ عز تی افزودم و بہ مصداق آں بیت

پذیرا سخن بود شد جہانگیر سخن کز دل آید بود دلپذیر

بہ حسن پذیرایش مصدر آفرینہا گردیدم از انجا کہ ہمت عالی نہمت ملازمان کیوان مکان آقائی نامدار مشغوف تبرفیہ عام و انجام مآرب خواص و عام است فرمان واجب الانقیاد بانطباع ہر دو نسخ نادرہ شرف نفاذ یافت تا منافع مقاصدش کہ بہ حجاب خفا و تتق اختفا مستور اند بمنصۂ شہود نشستہ کحل البصر دیدۂ جہان و غازہ کش چہرۂ مشتاقان گردد خاکسار بہ تعمیل ارشاد واجب الاتباع کمر ہمت بر بستہ بنامی کارخانہ شفیق موصوف خودش کہ مطبع اودھ اخبار ش نامند۔۔۔۔۔۔ و بانطباعش ایماسا ختم بحمد اللہ کہ ایں کلید طلسم سر بند۔ خزینۂ نور کہن موسوم بہ انشائی اسرار فریش محتوی۔ نہفتہ کرتہ بہ دارتعالی اعلام شوکت سرکار ذوی الاقتدار انگلشیہ درین جنت آباد ہندوستان زبانی بافشائی اسرار فریش سودائی در سر ـــ است و ہر کس بہ نیروی خود دست و پائی زدہ اطلاع حقیقتش را ـــ برسنا ہیم متعلقاتش ہم پی نبردہ اکثری دریں تمنا ایمان برباد دادند و بسیاری بدیں آرزو عقائد مشرب خود را برطاق نہادہ تسلط شیاطین بر خود گوارا کردند مگر کسی لعبہ اطلاع زبان بہ تبیان سری از اسرارش نکشادہ ہر کہ بر۔ زاں پر زبان۔ ناپیدا کنار از زبان۔ و اکتشاف حقائق بندگان خاص۔ بہ طرق یافتہ دلِ ز شائستہ بظہور۔ و ری و آں نقش ناشکستہ راہ فر کلیدی جہت تصحیح و نظر ثانی حضرت مصنف در مطبع نامی منشی نولکشور مالک مطبع اودھ اخبار بماہ مئی ۱۸۷۲ء بحلیہ انطباع پذیرفت۔

انجمن ترقی اردو دہلی کی سالانہ رپورٹ

انجمن ترقی اردو دلی کا کام میں نے ۱۹۴۹ء سے شروع کیا لیکن اب سولہ سال گزرنے کے بعد میں بے حد افسوس کے ساتھ کہتی ہوں کہ اردو کے لیے ہم عملی جد و جہد بالکل نہیں کر سکے اس کا یہ مقصد نہیں کہ ہم نے کچھ نہیں کیا سوال تو یہ ہے کہ جو کچھ کیا اس کا نتیجہ کیا نکلا یوں تو پنڈت جواہر لال نہرو مرحوم سابق وزیر اعظم کی خدمت میں بھی ہمارا وفد گیا اور پنڈت جی نے اردو کے معاملہ میں ہمدردانہ غور کرنے کا وعدہ کیا۔ پنت جی سے بھی ہمارے صدر پنڈت سندر لال جی ملے، سورگیہ لال بہادر شاستری نے بھی ہماری شکایات سنیں اور ان پر غور کرنے کا وعدہ کیا موجودہ وزیر داخلہ نندہ جی سے بھی گذشتہ سال ہمارا وفد ملا لیکن نتیجہ تاحال کچھ نہیں نکلا۔

دلی میں اردو کا مسئلہ ۱۹۵۶ء میں شدت سے سامنے آیا جب دلی اسمبلی کو توڑ دیا گیا۔ اس اسمبلی کی زبان کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں اردو کو دلی کی علاقائی ثانوی سرکاری زبان قرار دینے کی سفارش کی تھی۔ اس رپورٹ کو مرکزی وزارت داخلہ نے اپنی فائلوں میں محفوظ کر لیا حالانکہ دلی میں سیاسی طور پر اردو کی مخالفت بالکل نہیں ہے۔ سابق اسٹیٹ دلی اسمبلی نے ہندی۔ انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو کو بھی سرکاری درجہ دیا تھا اور اس کی زبان کمیٹی میں ہندو مہا سبھا کے صدر ہندی ساہتیہ سمیلن اور دلی یونیورسٹی کے شعبہ ہندی کے صدر بھی شامل تھے ان سب نے اتفاق رائے سے یہ رپورٹ تیار کی تھی جس کو وزارت داخلہ نے بالکل نظر انداز کر دیا۔ ۵۷ء میں اردو کانفرنس انجمن ترقی اردو نے مرکزی حکومت کو اس رپورٹ کی طرف توجہ دلائی۔ لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۴ر جولائی ۱۹۵۸ء کو وزارت داخلہ کی طرف سے اردو زبان کے بارے میں ایک سرکاری بیان جاری ہوا اس بیان میں اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہ دلی سیکڑوں برس سے اردو تہذیب کا گہوارہ رہی ہے وزارت داخلہ نے یہ اعتراف کیا اردو یقیناً ہمارے ملک کی زبان ہے ہندوستان اس کا وطن ہے آئین کے ہشتم شیڈول میں دس قومی زبانوں میں اردو کو شامل کر کے آئین میں اس کی بنیادی حقیقت کو تسلیم کیا ہے۔ آئینی طور پر ہماری اور قومی زبانوں کی طرح تمام حقوق اردو کو بھی حاصل ہیں افسوس ہے کہ اس واضح بیان کے بعد بھی دلی میں سرکاری طور پر اردو کی حیثیت کو تاحال تسلیم نہیں کیا گیا ظاہر ہے اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس بیان کو قانونی حیثیت حاصل نہیں ہے یہ محض ایک سرکاری بیان کی حیثیت رکھتا ہے حالانکہ دلی اردو کی جنم بھومی ہے دلی والوں کی زبان بلا تخصیص مذہب و ملت اردو ہے اور اردو کے حق کو منوانے کے لیے دلی کے سربرآوردہ شہری اور سیاسی رہنما ہمیشہ تقریریں کرتے رہے ہیں سورگیہ پنڈت نہرو نے ۵۹ء میں اپنے ایک خط میں صدر انجمن ترقی اردو دلی پنڈت سندر لال کو اردو کو اس کا جائز مقام دلی میں دلانے کا وعدہ کیا تھا لیکن مرکزی حکومت کا رویہ اس سلسلے میں مایوس کن رہا ہے مگر اہل دلی نے ابھی ہمت نہیں ہاری کیونکہ سیکولرازم اور جمہوریت پر یقین رکھنے والی سیاسی پارٹیاں ہمیشہ اردو کی حمایت میں آواز بلند کرتی رہتی ہیں سابق دلی میونسپل کمیٹی اور اس کے بعد دلی میونسپل کارپوریشن نے اردو کی علاقائی حیثیت کو باقاعدہ تسلیم کیا اور دلی والے خواہ پارلیمنٹ میں ہوں خواہ کارپوریشن میں اردو کے مسئلے سے ہمیشہ بہت دلچسپی لیتے ہیں لیکن اس تمام تر حوصلہ افزائی کے باوجود یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ جب تک سرکاری طور پر باقاعدہ اردو کو دلی کی علاقائی ثانوی زبان تسلیم نہیں کیا جائے گا اردو کی تعلیم و ترویج کی مشکلات بڑھتی رہیں گی اور یہاں کی آئندہ نسل اپنی مادری زبان سے بیگانہ ہوتی جائے گی یہ صورت حالات بہت افسوسناک ہے انجمن ترقی اردو نے اپنے دائرے میں رہ کر ہر ممکن کوشش کی کہ حکومت کو اس کا احساس دلایا جائے کہ دلی کے لوگ حکومت کے رویے سے بیزار اور مایوس ہیں ۱۹۶۴ء میں وزیر داخلہ کو ایک مطالبہ نامہ ہمارے وفد نے پیش کیا اور ان سے کہا کہ آئین کی دفعات ۳۴۷ کے تحت اردو کو علاقائی زبان قرار دیا جائے لیکن وفد وزیر داخلہ کی بات چیت سے مطمئن نہیں ہوا۔ نندہ جی نے دلی کو علاقائی ثانوی زبان اردو کو منوانے کے لیے کوئی امید افزا بات نہیں کی اس ناکامی کے بعد ہماری مجلس عاملہ نے اردو کے مسئلے کو دلی والوں کے سامنے رکھنے کا فیصلہ کیا تاکہ مطالبہ کو رائے عامہ کی وجہ سے تقویت ملے یہ وہ زمانہ تھا جب جنوبی ہند میں زبان کا سوال اٹھا تھا اور فضا پر سکون نہ تھی اس لیے بعض حلقوں کی طرف سے مخالفت متوقع تھی لیکن حالات بہت خوشگوار رہے انجمن ترقی اردو کے زیر اہتمام ایک عام اجتماع جنوری ۱۹۶۵ء میں ہوا اس اجتماع میں دلی کے سرکردہ شہری مختلف پارٹیوں کے رہنما تعلیمی اداروں کے نمائندے اور اردو صحافی شامل تھے اس نمائندہ اجتماع میں اردو تحریک کے پس منظر سے سب حضرات کو آگاہ کیا گیا اور متفقہ طور پر یہ طے ہوا کہ انجمن ترقی اردو کے ساتھ مل کر تمام پارٹیاں اور ادارے اس تحریک کو چلائیں چنانچہ دس افراد کی ایک اسٹیرنگ کمیٹی بنائی گئی اور اس کمیٹی نے دلی کے ہر حصے میں اردو کی حمایت میں جلسے کرائے اور اردو تحریک کو پُرزور بنانے کے لیے کافی جد و جہد کی۔ انجمن ترقی اردو نے اس سلسلے میں رام لیلا گراؤنڈ میں مسز وجے لکشمی کی صدارت میں جلسہ کیا یہ جلسہ ہر لحاظ سے بہت کامیاب رہا۔ لالہ شام ناتھ۔ چودھری برہم پرکاش دلی کے دونوں لیڈر اس بات پر متفق تھے کہ دلی میں اردو کو علاقائی درجہ حکومت کو دینا چاہیے اس جلسہ میں اردو کے حق میں بہت پرزور تقاریر کیں محترمہ صدر صاحبہ نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ دلی کی زبان اردو ہی ہے اور دلی والوں کا یہ مطالبہ بالکل صحیح ہے کہ دلی کو اس

ثانوی درجہ سرکاری طور پر ملنا چاہیے ہندوستان میں عام طور پر اور ملک کے ہر حصہ میں ہندوستانی بھی اور بولی جاتی ہے اور یہ ہندوستان کی بہت ہر دلعزیز زبان ہے اس کا ادب ملک کا ایک بیش بہا خزانہ ہے اور ہم اردو زبان کے علمی ادبی سرمایہ پر فخر کرتے ہیں اردو کوئی غیر ملکی زبان نہیں یہ دلی میں پیدا ہوئی اور یہیں پلی بڑھی آزادی کی لڑائی میں اردو نے بہت اہم رول ادا کیا ہے انقلاب زندہ باد کا نعرہ اردو نے ہم کو دیا اور ہمارے کئی بہادر سرفروش اردو کے شعر پڑھتے ہوئے ہندوستان کی آزادی کے لیے قربان ہو گئے۔

۲۲ فروری ۱۹۶۵ء کو سورگیہ لال بہادر شاستری کو ایک مطالبہ نامہ پیش کیا گیا اسی روز مولانا آزاد کے مزار پر تقریر کرتے ہوئے اور پھر پارلیمنٹ میں اس مطالبہ نامہ کے حوالے سے وزیر اعظم نے فرمایا تھا کہ وہ اعلیٰ سطح پر اس سلسلے میں صلاح و مشورہ کریں گے لیکن پھر کشمیر کا جھگڑا شروع ہو گیا وہ اُدھر مصروف ہو گئے ستمبر میں تو باقاعدہ لڑائی چھڑ گئی انجمن کے منصوبے یونہی رہ گئے اب معاہدۂ تاشقند کے بعد حالات خوشگوار ہوئے تو از سر نو اردو کے مسئلہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے دلی کی فضا اردو کے لیے بہت سازگار ہے۔ دلی کارپوریشن کی دوسری تسلیم شدہ زبان اردو ہے سابق دلی اسٹیٹ اسمبلی نے متفقہ طور پر اردو کو ثانوی علاقائی حیثیت دی تھی۔ دلی میں آج بھی اردو کے چھپنے والے اخبار و رسائل کی تعداد سب سے زیادہ ہے دلی والوں کے علاوہ پنجاب سے آئے ہوئے لوگوں کی غالب اکثریت اردو لکھتی پڑھتی اور اردو میں کاروبار کرتی ہے۔! اب اردو تحریک کے سلسلے میں ایک کانفرنس بلانے کی تجویز پر ہم غور کر رہے ہیں تاکہ اردو دوستوں کو جو پورے ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں اکٹھا کر کے اردو کے لیے پھر متفقہ طور پر مطالبہ نامہ مرکزی حکومت کے سامنے پیش کریں۔!

اردو تحریک کے آگے بڑھانے کے ساتھ ساتھ ہماری علمی و ادبی سرگرمیاں بھی جاری ہیں ہمارا سہ ماہی رسالہ "صبح" جو ۱۹۶۰ء سے نکل رہا ہے اگست ۱۹۶۵ء سے ماہانہ کر دیا گیا اس کے علاوہ "صبح" کا ایک خاص نمبر پنڈت جواہر لال نہرو مرحوم پر نکالنے کا ارادہ ہے۔

علامہ کیفی کی نظم کا انتخاب بھی آئندہ سال ان کی اسّی سالہ سالگرہ پر پیش کرنے کی تیاری ہماری ادبی کمیٹی کر رہی ہے۔ملوک چند محروم پر ایک کتاب نکالنے کا پروگرام بھی ہے اور ادبی نشستوں کے علاوہ انجمن نے محروم صاحب کے لیے تعزیتی جلسہ بھی کیا اور حسب معمول "یوم غالب" اور مولانا آزاد کے مزار پر قرآن خوانی اور ان کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے جلسہ بھی کیا۔!

اس سال بھی حکومت دلی کے دو ہزار کے علاوہ جناب مصطفیٰ رشید شیروانی صاحب نے گرانقدر عطیہ دیا یوم غالب پر بھی غالب کے شیدائیوں نے حسب معمول عطیات دئے اور ہمیں امید ہے کہ اردو دوست اور ادب نواز حضرات ہماری مدد کریں گے تاکہ ان کے تعاون سے ہم اپنے علمی، ادبی پروگرام کو بخوبی چلا سکیں، اور اردو کے لیے جد و جہد کو تیز کر سکیں۔ (ایک نامہ نگار)

جامی کے ساتھ ایک شام

حیدرآباد دکن میں ۲۱ را پریل ۶۶ء کی شام "راگ رنگ کلا اکیڈیمی" کے زیر اہتمام ہند و پاک کے ممتاز شاعر جناب خورشید احمد جامی کی شعری و ادبی خدمات کے اعتراف میں ایک ادبی اجلاس اور کلچرل پروگرام "جامی کے ساتھ ایک شام" کے زیر عنوان نواب میر یٰسین علی خاں کی صدارت میں منعقد ہوا۔ میر عابد علی خاں ایڈیٹر سیاست نے افتتاحی تقریر کرتے ہوئے جامی اور اکیڈیمی کو مبارکباد دی۔ غیاث صدیقی معتمد اکیڈیمی نے تقریب کے مہمان خصوصی جناب جامی کی گلپوشی کرتے ہوئے ان کی خدمات کی ستائش کی۔ جواں سال شاعر مغنی علی خاں ثاقب نے "جامی اشعور فن کا نیا سویرا" کے زیر عنوان ایک مضمون پڑھا۔ وقار خلیل اور رئیس اختر صاحبان نے نظموں کے ذریعہ جامی کی شعری شخصیت کو خراج تحسین ادا کیا۔

صدر جلسہ یٰسین علی خاں نے کہا کہ "جامی کا نام دور حاضر کے ان چند ممتاز شعراء میں شامل ہے جنھوں نے غزل کو نیا رنگ اور آہنگ دیا ہے اور صنف غزل میں بہت جلد انفرادیت پیدا کر لی ہے۔" جناب جامی نے تمام حضرات کا شکریہ ادا کیا اور اپنا تازہ کلام سنایا۔ اس یادگار تقریب میں موسیقاروں نے جامی صاحب کا کلام سازکے ساتھ پیش کیا۔ "راگ رنگ کلا اکیڈیمی" کے معتمد عمومی غیاث صدیقی صاحب کے شکریے پر یہ محفل اختتام کو پہنچی۔

(ابن نامی)

تبصرے

اطہر پرویز

نام کتاب: بہادر شاہ ظفر (ڈراما)

مصنف: منجو قمر تیا بلجی

ناشر: نگارشات پبلشرز۔ بیگم بازار حیدرآباد ۱۲

قیمت: ۵۹ ء ۲

اس کتاب کے دو حصّے ہیں۔ پہلے حصّے میں "اردو ناٹک" کی تاریخ کا مختصر طور پر جائزہ لیا گیا ہے، دوسرا حصّہ اصل ڈرامے پر مشتمل ہے۔

"اردو ناٹک" کا جائزہ ۷۱ صفحات پر مشتمل ہے اور بڑی محنت سے لکھا گیا ہے اور اس امر کا متقاضی ہے کہ مصنف کی نظرثانی کے بعد اسے ڈرامے سے علیحدہ کر کے شائع کیا جائے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر اگر اس جائزے کے چند اہم نکات کی جانب اشارہ کر دیا جائے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔

مصنف نے لکھا ہے کہ "اردو ناٹک کا آغاز ۱۸۵۳ء میں نواب واجد علی شاہ کے رنگین دور میں ہوا۔" یہ خیال آج پرانا سمجھا جاتا ہے، نئی تحقیق کی روشنی میں چند سال پہلے ڈاکٹر عبدالعلیم نامی نے تھیٹر کے موضوع پر اردو میں اپنا تحقیقی مقالہ تیار کیا، جس پر بمبئی یونیورسٹی نے موصوف کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری سے نوازا۔ یہ بات بے محل نہ ہوگی اگر میں عرض کروں کہ ہندوستان میں تھیٹر کے موضوع پر پہلی ڈاکٹریٹ اسی اردو مقالے پر دی گئی۔ ڈاکٹر عبدالعلیم نامی کی تحقیقات کے مطابق پرتگالیوں نے عیسائی مذہب کی تبلیغ کے لیے سب سے پہلے تماشے کے ذریعے ایک سلسلہ شروع کیا۔ اس کے بعد انگریزوں نے ۱۷۷۵ء میں "بمبئی تھیٹر" کی بنیاد ڈالی۔ یہ تھیٹر ۱۸۰۶ء تک چلنے کے بعد بند ہوا۔ لیکن ۱۸۴۶ء میں دوبارہ ایک نئے بمبئی تھیٹر کا اجرا ہوا۔ اس کا سہرا جگن ناتھ شنکر سیٹھ کے سر ہے۔ ۲۶ نومبر ۱۸۵۲ء کو ڈاکٹر لاڈ نے راجہ گوپی چند اور جلندھر نامی تماشا اسی تھیٹر میں دکھایا۔ اس کے بعد اردو تھیٹر کے کام کو آگے بڑھانے میں پارسیوں نے جی کھول کر حصّہ لیا اور اپنا پہلا اردو ڈراما ۸ فروری ۱۸۵۳ء کو "نیم حکیم اور قتل عام" اسٹیج کیا۔ اس طرح جب کہ لکھنؤ میں واجد علی شاہ خود ڈرامے تیار کروا رہے تھے تو بمبئی میں یہ سلسلہ چھوٹے پیمانے پر بڑے زور و شور سے شروع ہو چکا تھا البتہ اس کا ذکر شمالی ہندوستان میں اس لیے بھی نہ ہو سکا کہ بمبئی اردو کے مرکز سے دور تھا۔ اس کے علاوہ تھیٹر اور ناٹک کو ادب میں کوئی حیثیت حاصل نہ تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ "اردو ناٹک" کے موضوع پر کچھ لکھتے وقت ڈاکٹر نامی کے کام کو نظر کے سامنے رکھنے سے یقیناً سہولت ہوگی اور بعض غلطیوں کے دور ہونے کا امکان بھی ہوگا۔

جہاں تک "شکنتلا" کے ترجمے کا تعلق ہے۔ اس کا پہلا ترجمہ فرخ سیر کے عہد میں ہو چکا تھا۔ البتہ یہ ڈراما اردو اسٹیج پر نہ آسکا تھا اور منجو قمر تیا بلجی نے بجا طور پر نارائن پرشاد بے تاب بنارسی کے ناٹک کی تعریف کی ہے۔ اگر موصوف اس جائزے میں اور رنگ بھر دیں تو اردو ناٹک کی تصویر واضح طور پر سامنے آجائے گی۔ یہ اچھی بات ہے کہ مصنف، ڈرامے کے آداب سے واقف ہیں۔ انھیں موسیقی سے بھی غیر معمولی لگاؤ معلوم ہوتا ہے، جس کا ثبوت اس کتاب میں جا بجا ملتا ہے۔

ڈراما سے غیر معمولی دلچسپی ہی نے آن سے یہ ڈراما "بہادر شاہ ظفر" لکھوایا۔ یہ ڈراما تین ابواب پر مشتمل ہے۔ جشن، کشمکش اور یاس۔ اور ہر باب میں تین تین مناظر ہیں۔ ڈرامے کے شروع میں افراد تمثیل کے حلیے اور ان کے لباس کی تفصیل دی گئی ہے جو اسٹیج کرتے وقت کارآمد ثابت ہوگی۔

ڈرامے کی زبان اچھی ہے اور سند کے لیے عالی جناب پروفیسر آغا حیدر حسن دہلوی کا یہ جملہ کافی ہے کہ "مکالمے بھی لال قلعہ کی صحیح بولی میں ہے، جو مغلیہ معاشرے کا رنگ ہے، وہ بھی خوب جھلکا آیا ہے۔"

مکالمے بے حد چست ہیں۔ جس وقت بہادر شاہ، ہڈسن کے سامنے اپنی شکست تسلیم کرتے ہیں تو ان کا یہ جملہ کہ "ٹھیک ہے تقدیر جب تدبیر کی ہنسی اڑا چکی تو پھر کیوں نہ تقدیر کا ساتھ دیں۔" یا پھر جب شہزادوں کے سر خوان پوش میں پیش کیے جاتے ہیں تو ڈراما نگار کی صلاحیت اور ابھر کر سامنے آتی ہے اور بہادر شاہ کہتے ہیں: "تاریخ شاہد ہے کہ شاہی خاندان میں ایسے مناظر اکثر دیکھنے میں آئے ہیں کہ تیمور کی اولاد اسی طرح سرخرو ہو کر میدان جنگ میں باپ کے سامنے آیا کرتی تھی۔ یہ ظفر کی خوش نصیبی ہے کہ آج اس کی اولاد نے بھی وطن کی آزادی کے لیے اپنے سروں کو کٹایا اور سرخرو ہو کر۔"

غرض یہ ڈراما خوبصورت مکالموں سے بھرا ہوا ہے جس کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ خاص طور پر اسٹیج پر ہی کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اسٹیج کرتے وقت اس میں شاید کچھ کتر بیونت کرنی پڑے۔ مثلاً اس عظیم المیے کے بعد شہزادی رابعہ کی شادی باورچی گنگھرو کے ساتھ کچھ عجیب سی لگتی ہے۔ یہاں مجھے تاریخ سے سروکار نہیں، البتہ اس سے ڈرامے کے المیے کا زور کچھ کم ہوتا ہے اور "ٹریجڈی" کے تقدس پر حرف آتا ہے۔

اسی طرح سبھاش چندر بوس اور آزاد ہند فوج کا ذکر بھی بلا وجہ زیادہ معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ ناٹک صحیح معنوں میں پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔ ڈرامے میں لطیف حکایت دراز نہیں کی جاتی اور میں سمجھتا ہوں کہ ڈراما نگار کو بھی مجھ سے زیادہ اس بات کا احساس ہوگا۔

مجموعی طور پر "بہادر شاہ ظفر" ایک اچھا ڈراما ہے اور آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی بجا طور پر مبارکباد کی مستحق ہے کہ جس نے انعام دے کر اس کے اچھے ہونے پر اپنی مہر بھی لگا دی۔

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) ... مدیر ضمیر الدین قریشی نے سید ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپایا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا۔